مناہج استنباط کی تاریخ (عہد رسالتؐ تا عہد تابعینؒ)

سید محمد اسماعیل*

''منہج استنباط'' لغوی واصطلاحی مفہوم:

بلا شبہ اصول فقہ ایک مستقل علم اور فن ہے۔ اس کی غرض و غایت ایسے قواعد و ضوابط بنانا ہے جن کے ذریعہ ان شرعی احکام تک رسائی ہو سکے جن کا تعلق عمل سے ہے اور جن پر عمل کر کے ایک مجتہد استنباطِ احکام میں غلطی یا لغزش سے محفوظ رہ سکے۔ دوسرے لفظوں میں یہ ان مناہج اور اسالیب کا نام ہے جن پر چل کر ائمہ مجتہدین نے فقہی احکام کا استنباط کیا۔ جو شخص بھی اس عظیم فقہی میراث سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہے یا فقہائے سابقین کے طرز پر عمل پیرا ہو کر احکام شرعیہ کا استخراج کرنا چاہتا ہے، اسے لازماً علم اصول فقہ سے آگاہی حاصل کرنا ہوگی۔ اس اعتبار سے یہ علم ایک منہج کی حیثیت رکھتا ہے، جسے علمائے اصولیین کی اصطلاح میں ''منہج استنباط'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۱) یہ خالص اسلامی فقہی اصطلاح ہے، جو علمائے اصولیین یا مجتہدین کے اختیار کردہ اُس خاص طریقۂ کار کی طرف نشاندہی کرتی ہے، جس کے ذریعے نصوص سے احکام تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ منہج استنباط مرکب اضافی ہے، تفہیم کے لیے اس کے اجزاء یعنی مضاف (منہج) اور مضاف الیہ (استنباط) کے لغوی اور اصطلاحی مفاہیم کا بیان درج ذیل ہیں:

منہج کی جمع مناہج ہے۔ لغت عرب میں الفاظ **"النَهج، المَنهج، المِنهج اور المِنهاج"** ہم معنی استعمال ہوتے ہیں جن کا لغوی ترجمہ ''واضح، کشادہ یا روشن راستہ'' کے ہیں۔ (۲) الفیروزآبادی منہج کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''المنهَجُ: الطريق الواضح ، يقال نَهَجَ الطريقَ سَلَكَهُ و نَهَجَ فلانٌ سبيلَ فلانٍ : سَلَكَ مَسلَكَهُ.''(۳)

''المنہج: یعنی واضح راستہ، کہا جاتا ہے "نہج الطریق": یعنی اس راستہ پر چلا اور "فلاں شخص فلاں کے راستہ پر چلا" سے مراد اس کے مسلک (طریقہ) کی پیروی کی۔''

اس ضمن میں قول باری تعالیٰ: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُم شِرعَةً وَمِنهَاجاً﴾ (۴) کی تفسیر میں سعید بن مسعدہ الأخفشؒ (م-۲۱۵ھ) لفظ منهاجا کے لغوی معنی یوں بیان فرمائے ہیں: **معنى المنهاج : الطريق من (نَهَجَ - يَنهَجُ)**. (۵) اسی طرح علامہ طبرسیؒ (م-۵۴۸ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: **سبحانه بين أن لكل نبى شريعة و منهاجا أى : سبلا واضحة غير شريعة صاحبه.** (۶)

''منہج'' کی مختلف اصطلاحی تعریفات کی گئی ہیں، جن میں سے بحث کی مناسبت سے چند اہم تعریفات درج ذیل ہیں:

---

* لیکچرار، گورنمنٹ زمیندار پوسٹ گریجویٹ کالج، گجرات، پاکستان

۱. الترتيب الصحيح و الاحصاء الدقيق لجميع ظروف الشئ المبحوث عنه (۷)

زیر بحث موضوع کے تمام پہلوؤں کا مرتب اور باریک بینی سے احاطہ کرنا۔

۲. طريقة في تحليل العلم الى مبادئه و أصوله (۸)

اصول ومبادی کے علمی تجزیہ کا طریقہ

۳. مجموعة قواعد وأصول تمهيد من خلال التحليل الىٰ حقائق الأشياء (۹)

اصول وقواعد کا وہ مجموعہ جو حقائق اشیاء کے تجزیہ کے دوران بطور تمہید پیش کیا جاتا ہے۔

۴. طريقة يصل الانسان باتباعها الى اكتشاف حقيقة ما (۱۰)

وہ طریقہ جس کی اتباع سے انسان کشف حقیقت تک پہنچتا ہے۔

۵. طريقة يصل بها انسان الى حقيقة (۱۱)

وہ طریقہ جس سے انسان حقیقت تک پہنچتا ہے۔

۶. طريق البحث عن الحقيقة في أى علم من العلوم ، أو في أى نطاق من نطاقات المعرفة الانسانية (۱۲)

علوم میں سے کسی علم یا انسانی معرفت کے پیمانوں میں سے کسی ایک پیمانہ کی حقیقت تلاش کرنے کا طریقہ۔

۷. أى اجراء يطبق على أشياء مختلفة و متنوعة فيحولها من حالتها غير المنتظمة الى نظام بينها على أساس علاقات ارتباطاتها ببعض (۱۳)

ایسا اقدام جو مختلف اور متنوع اشیاء پر منطبق ہو تو روابط وتعلقات کی بنیاد پر ان کی غیر منظم حالت کو منظم کردے۔۸۔

طريق واضح في التعبير عن الشئ ، أو في عمل شئ ، أو في تعليم شئ طبقا لمبادئ معينة ، و نظام معين بغية الوصول الى غاية معينة(۱۴)

تعبیر معاملہ یا کوشش کرنے یا معین مبادی پر منطبق کرتے ہوئے کچھ سیکھنے کا واضح طریقہ، اور مقررہ حد تک حصول مقصد کا معین نظام۔

۹. الطريقة أو الأسلوب الذى ينتهجه العالم في بحثه أو دراسة مشكلة و الوصول الى حلول لها،أو الى بعض النتائج (۱۵)

وہ طریقہ یا اسلوب (انداز نگارش، طرز تحریر) جو محقق اپنی تحقیق یا کسی پیچیدہ بحث کے حل یا بعض نتائج تک پہنچنے میں اختیار کرتا ہے۔

۱۰. الطريق الذى يعتمده الفيلسوف في بحثه عن الحقيقة (۱۶)

وہ طریقہ جس پر فلاسفہ تلاشِ حقیقت میں اعتماد کرتے ہیں۔

علماء کے عرف واستعمال کو مدنظر رکھتے ہوئے منہج کے لغوی واصلاحی مفاہیم کا احاطہ درج ذیل ہے:

۱۔ روشن اور واضح راستہ، کشادہ راستہ، کھلی سڑک، شاہراہ، شارع عام۔

۲۔ طریقہ، روش۔

۳۔ قاعدہ، اصول، ضابطہ۔

۴۔ مثال یا خاکہ جس پر عمل یا سوچ کا نظام یا منصوبہ ترتیب دیا جائے۔

۵۔ سائنس یا فنون میں درجہ بندی یا طریقوں کا نظام، عملی تحقیق کا ضابطہ یا طریقہ۔(۱۷)

منہج کی تعریفات میں دو چیزیں مشترک ہیں ایک **طریق للوصول الی الحقیقة** یعنی حقیقت تک پہنچانے والا راستہ، چنانچہ راستہ ہونے کے اعتبار سے یہ منہج کے لغوی معنی سے متفق ہے۔ دوسری منہج کی غرض وغایت ہے جو کہ **تحصیل المعرفة الصحیحة** یعنی معرفت صحیحہ کا حصول ہے۔ لہٰذا ان تعریفات کا خلاصہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ منہج وہ واضح یا روشن راستہ ہے جس کی محققین پیروی کرتے ہیں۔ محقق کے لیے ضروری ہے کہ حصول مقصد کے لیے وہ منظم کاروائی سے گزرے تا کہ اس کی تحقیق کا حاصل (معیاری سطح پر) مخصوص مدلل قواعد ہوں، جو افکار میں سے کسی فکر کی نشاط یا فعالیت کی طرف متوجہ ہوں۔ تطبیقی جانب قواعد منہجیہ عملی ہوں اور زیر بحث علم کے لیے تحقیق کا نظریہ ہوں۔

الاستنباط:

استنباط بمعنی استخراج **نبط** (ض ن) سے باب استفعال کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں **اخراج الماء من العین** یعنی چشمہ سے پانی نکالنا، **یقال : استنبطَ الشیٔ** :کسی چیز کا پوشیدگی کے بعد ظاہر ہونا، **استنبطَ الحکمَ** :اجتہاد سے حکم نکالنا، **یقال : استنبطَ الفقیهُ الحکمَ ، استنبطَ الفقیهُ** :فقیہ کا اپنی سمجھ سے قرآن وحدیث کے باطنی معنی کو نکالنا۔ اسی طرح استنباط سے مراد ''انتخاب، اخذ واستخراج یا برچیدگی'' ہے۔ لہٰذا ''منہج استنباط'' کا لغوی مفہوم ''اخذ واستخراج کا واضح راستہ'' یا ''اصول استخراج'' یا ''پوشیدگی ظاہر کرنے کا طریقہ'' ہے۔(۱۸)

علمائے اصول نے ''الاستنباط'' کی اصطلاحی تعریف یوں بیان کی ہے:

''الاستنباط : استخراج ما حفی المراد به من اللفظ . یقال: استنبطت الحکم ،أی :استخرجته بالاجتهاد ، و أنبطته انبطا مثله و اصله من استنبط الحاضر الماء و أنبطه انباطا اذا استخرجه بعمله.'' (۱۹)

استنباط: لفظ سے پوشیدہ معنی استخراج کرنا۔ کہا جاتا ہے: استنبط الحکم، یعنی اجتہاد کے ذریعے حکم اخذ کرنا، اور یہ مثل سے اخذ کرنا ہے، اور اس کی اصل (کوئیں سے) پانی نکالنا سے ہے، جیسا کہ پانی مشقت کے ساتھ نکالا جاتا ہے۔

''هو استخراج المعاني من النصوص بفرط الذهن و قوة القريحة.'' (۲۰)

یہ نصوص (کتاب وسنّت) سے ذہنی رسائی اور جانفشانی کے ساتھ معانی کا اخذ کرنا ہے۔

''استخراج المعاني من النصوص فيما يعضل و يهمّ بفرط الذّهن و قوة القريحة ،و هي عمليّة لا تخلو من تأثّر في أغلب أمرها بالظروف الاجتماعيّة و الفكريّة والسياسيّة و الاقتصاديّة السائدة للفرد و الجماعة في عصر من العصور.'' (۲۱)

''یہ نصوص (قرآن وسنّت) سے دشوار معانی کا ایسا استخراج ہے جس میں ذہنی رسائی اور جانفشانی کا ارادہ شامل ہو، اور یہ ایسا عمل ہے جو کسی بھی زمانہ میں انفرادی واجتماعی سطح پر اکثر امور میں رائج اجتماعی ،فکری، سیاسی اور اقتصادی حالات کے اثرات سے خالی نہیں ہوتا۔''

منہج اور استنباط کی علیحدہ علیحدہ تعریفات کے بعد بحیثیت مرکب اضافی ''منہجِ استنباط'' کی اصطلاحی تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ 'منہجِ استنباط نصوص سے احکام کے اخذ واستخراج کا واضح طریقہ ہے، یہ اصول وقواعد کا وہ مجموعہ ہے جس سے احکام کی صحت کے دلائل حاصل ہوتے ہیں۔' یہ مفہوم اصول فقہ کی تعریف میں شامل ہے۔ جیسا کہ ابن الہمامؒ نے اصول فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''ادراک القواعد التی یتوصل بها الی استنباط الفقه'' (۲۲)

''ان قواعد کا جاننا جن کے ذریعے فقہی استنباط تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔''

غرض ایسے طریقے اور مناہج اور وہ اصول وقواعد جو فقہی احکام کے اخذ کرنے اور ان کے دلائل فراہم کرنے میں مدد دیں اصول فقہ کہلاتے ہیں۔ یا علم اصولِ فقہ سے مراد وہ مناہج اور طریقے ہیں جو اس راہ کو متعین کرتے ہیں جن پر چل کر ایک فقیہ دلائل سے احکام کا استنباط کرتا ہے۔ ان تعریفات سے اصولِ فقہ کے دو پہلو (علمی اور منہجی) ظاہر ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اصولِ فقہ ایک مستقل علم اور مضمون ہے جس کے مفسرین، فقہاء، محدثین، داعی، معلم ومتعلم وغیرہ سب محتاج ہیں۔ جبکہ دوسری جانب اصولِ فقہ ایک مستقل منہج بھی ہے، کیونکہ یہ فقہی ثمرات تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ (۲۳) جیسا کہ فقہی اصول وقواعد کے علم میں ان اصول پر عمل پیرا ہونا شامل ہے، اور عملی اعتبار سے علماء ومجتہدین نے مختلف مناہج اختیار کیے ہیں، جو کہ اصولِ فقہ کی مستقل ابحاث کے طور پر مدوّن ہوئے ہیں۔ لہذا ''اصول فقہ'' عام ہے اور ''منہجِ استنباط'' اس کا خاص عملی واطلاقی پہلو ہے۔ تاہم یہ عملی واطلاقی پہلو اس قدر وسعت کا حامل ہے کہ دونوں اصطلاحات کو بطور مترادف استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ''فقہ سے مراد مناہج کی مدد سے احکام کا استخراج کرنا ہے۔'' اور اجتہاد بغیر کسی استنباطی منہج اختیار کیے ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ خلیفہ بابکر الحسن اصولیین کے مناہج کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''يراد بمناهج الأصوليين طرقهم و أساليبهم و اتجاهاتهم في بحث و تناول المسائل الأصولية ، و

هي طرق لا يصعب على الناظر التعريف عليها من خلال نظره في كتب أصول الفقه الاسلامي التي يرد الخلاف فيها واضحا بين المدرستين كبيرين تقاسمتا ..ابتداء..التأليف فيه ، هاتان المدرساتان هما : مدرسة الشافعية و تسمى بمدرسة المتكلمين ، و مدرسة الحنفية و تسمى بمدرسة الفقهاء ." (۲۴)

"مناہج الاصولیین سے مراد اصولی مسائل کی بحث میں علمائے اصول کے اختیار کردہ طریقے ، اسالیب اور رجحانات ہیں۔کتب اصول فقہ کا مطالعہ کرنے والے کے لیے دوران مطالعہ ان طریقوں کا جاننا مشکل نہیں ہے، جیسا کہ دو بڑے مکاتب فکر کے مابین اختلاف کی وجہ سے مناہج کی تقسیم اُصولی تألیفات کی ابتداء ہی سے موجود ہے۔ان دونوں مکاتب میں شوافع کا مکتب فکر مدرسۃ المتکلمین کے نام سے اور حنفی مکتب فکر مدرسۃ الفقہاء کے نام سے موسوم ہے۔"

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ علم اصولِ فقہ نظری اور تطبیقی دونوں اعتبار سے ایسا راستہ متعین کرتا ہے جس کی پیروی سے احکام الٰہیہ کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے۔ بالجملہ "علم اصولِ فقہ" اطلاقی اعتبار سے ایک مستقل منہج ہے۔ محققین نے اسے استنباطِ احکام کا منہج کہا ہے، جسے منہاج نبوت کے ذریعے تعلیم کیا گیا کیونکہ اس سے واقفیت اجتہاد کے لیے ناگزیر ہے۔ پھر یہ جن طرق میں واضح ہوا انہیں مستقل مناہج کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ محققین سے مراد علمائے اصولیین یا مجتہدین ہیں، جن میں متکلمین اور فقہاء سب شامل ہیں، جنھوں نے نہ صرف اصولی و منہجی فکر کی تنقیح کی بلکہ اسے ایک مرتب و مدوّن علم اور ایک مستقل فن کی حیثیت سے بھی پیش کیا، جو کہ انسانی فکری تاریخ کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ منہج استنباطِ احکام کی ابتداء اور ارتقائی مراحل کا تاریخی جائزہ لیتے ہوئے، درجہ ذیل سطور میں عہد نبوت سے لے کر تابعینؒ کے دور تک ہونے والی پیش رفت کو زینت مقالہ کیا گیا ہے۔

منہاج نبوت ﷺ اور منہج استنباط احکام (عہد رسالتؐ وعہد صحابہؓ):

تمام علوم اسلامیہ کا اوّلین مصدر قرآن وسنّت ہیں، جنہیں اصولیین کی اصطلاح میں اصل الاصول کہتے ہیں۔ آقائے دو جہاں محمد عربیؐ پر آخری وحی قرآن وسنّت کی شکل میں نازل ہوئی اور آپؐ کو منصب رسالت پر سرفراز فرمایا گیا۔ منہاج نبوت یہ تھا کہ آپؐ وحی کی روشنی میں اس کتاب ہدایت کی تعلیم، اس کے راہنما اصولوں کے مطابق تربیت، اس کی نصوص کی شرح وتفسیر، اسی کے مطابق فیصلہ، اس کے احکام کا نفاذ اور تشریعی اُمور مقرر فرمائیں۔ یعنی وحی نبوت کے ساتھ اعلیٰ ترین حیثیت میں معلم و مربی، قاضی و حاکم اور راہنما وشارع وغیرہ جیسے مناصب جلیلہ آپؐ کے سپرد فرمائے گئے۔ (۲۵) علامہ شہاب الدین قرانیؒ کے بقول:

"اعلم أن رسول اللّٰه ﷺ هو الامام الاعظم و القاضی الاحکم و المفتی الاعلم فهو ﷺ امام الآئمة و القاضی القضاة و عالم العلماء فجميع المناصب الدينيه فوضها اللّٰه تعالیٰ اليه فی رسالته و هو اعظم من كل من تولى منصبا منها فی ذلک المنصب الی يوم القيامة فما من منصب دينی

الا هو متصف به في أعلى رتبة." (۲٦)

رسول اللہ ﷺ کی نبوی زندگی کے تقریباً تیئس سالہ دور میں آپ ؐ نے جو امور معلم و مربی، قاضی و حاکم، مفسر و مبینِ کتاب، شارع و مفتی اور امام و پیشوا وغیرہ جس بھی اعلیٰ حیثیت سے سرانجام دیئے، سب کے سب الٰہی تائید سے تھے، یہ تمام امور منہاج نبوت کے مظاہر ہیں اور حدیث و سنّت کے مستند اور وسیع ذخیرہ کی شکل میں بحکم الٰہی صحابہؓ کی وساطت سے بسلسلۂ سند آج ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ آپ کی ذات رسالت مآبؐ ہر زمانہ کے لیے زندگی کے ہر شعبہ میں تمام مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے کامل نمونہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۲۷) یعنی من جانب اللہ آپؐ کے اسوۂ حسنہ کی تقلید و اتباع ہر مسلمان پر لازم ہے۔

کامل راہنمائی کے لیے ضروری ہے کہ پیروی کرنے والوں کی کامل تعلیم و تربیت کی جائے۔ آپؐ نے صحابہؓ کی ایسی جماعت تیار فرمائی کہ جو نہ صرف وحی کی تعلیمات پر خود عمل پیرا تھی بلکہ فیضان نبوت کی بدولت آئندہ نسلوں کے لیے قابل اتباع ستاروں کی مانند ہدایت کا معیار بن گئی۔ لہذا یہ کہنا بجا ہے کہ عہد رسالتؐ وہ جڑ ہے جس پر علوم اسلامیہ کا تنا آور درخت پوری آب و تاب کے ساتھ کھڑا ہے، جس کی آبیاری منہاج نبوت سے ہوئی اور الٰہی انتظام کی بدولت ماضی میں بھی محفوظ تھا، آج بھی محفوظ ہے اور ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

عہد رسالتؐ میں استنباط احکام (اجتہاد) کی تعلیم و تربیت:

عہد رسالتؐ میں تمام احکام کا ماخذ و سرچشمہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شریعت کے احکام، مقاصد اور اسرار و رموز، آنحضور ﷺ کی صحبت میں مشاہدہ و سماعت کی بنیاد پر آپؐ ہی سے سیکھ رہے تھے۔ جس مسئلہ کا حل مطلوب ہوتا آپؐ کی بارگاہ عالی میں پیش کرتے اور آپؐ اس کے حل کے لیے وحی قرآنی پر انحصار فرماتے یا پھر سنّت پر جو کہ بارگاہ ربّانی سے آپؐ کو بذریعۂ الہام القاء کی جاتی۔ کیونکہ آپؐ کی گفتگو کا منبع وحی الٰہی اور الہام تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (۲۸) (اور آپؐ تو اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں، یہ تو وحی ہے جو آپؐ کی طرف کی جاتی ہے)۔

اہل علم کے نزدیک راجح اور صحیح بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اجتہاد کی اجازت تھی اور بعض معاملات میں آپؐ نے اجتہاد فرمایا بھی۔ پھر آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کی اجازت بھی مرحمت فرمائی اور دور نبویؐ ہی میں انہوں نے اس پر عمل بھی فرمایا۔ (۲۹) آپؐ کے اجتہاد فرمانے پر آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے گو اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اجتہاد دو طرح پر ہوتا تھا:

۱۔ منصوص سے استنباط، یعنی قیاس کے ذریعہ حکم معلوم کرنا۔

۲۔ شریعت کے عام مقاصد، تشریع و تیسیر احکام کے جو عام قواعد آپؐ کو وحی کے ذریعے معلوم تھے ان کی روشنی میں اجتہاد۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے خیال میں اجتہاد کی یہ دوسری صورت صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص ہے۔ دیگر مجتہدین کے لیے اجتہاد کی صرف پہلی صورت ہے۔(۳۰) عہد رسالت میں اجتہاد جزوی اور انتہائی ضروری مواقع (مثلاً اجتہاد کی تعلیم و تربیت وغیرہ) پر مذکورہ بالا اصولوں کے تحت ماخذ شریعت تھا مگر مستقل مصدر شریعت نہیں تھا بلکہ وحی الٰہی کے فوری تابع تھا۔ کیونکہ اسی وقت وحی کے ذریعے یا تو اس اجتہاد کی توثیق فرما دی جاتی یا پھر اس میں ترمیم و اصلاح کر دی جاتی اور بالفرض اگر توثیق نہ بھی کی جاتی تو یہ ممکن نہیں تھا کہ اجتہادی غلطی کو برقرار رکھا جاتا جیسا کہ اسیران بدر کے واقعہ میں ہوا۔(۳۱)

اسیران بدر کا واقعہ یوں ہے کہ غزوۂ بدر میں کفار کے کچھ سر برآوردہ لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے ان کے معاملہ میں مشورہ طلب فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے، جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی گردنیں اڑا دینے کا مشورہ دیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اجتہاد فرمایا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے کو اختیار فرمایا۔(۳۲) اس پر مسلمانوں کے لیے بطور تنبیہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ لَوْلا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (۳۳)

"نہیں مناسب نبی ﷺ کے لیے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کر لے زمین میں، تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ چاہتا ہے (تمہارے لیے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور دانا ہے۔ اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطا اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں بڑی سزا بوجہ اس کے جو تم نے اخذ کیا۔"

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبیؒ نے ایک روایت یوں نقل فرمائی ہے:

"فقال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ان كاد ليصيبنا في خلاف ابن الخطاب عذاب ولو نزل عذاب ما أفلت الا عمر" (۳۴)

یعنی ابن خطاب کے برخلاف عمل کرنے کی بنا پر اگر عذاب نازل ہوتا تو عمرؓ کے سوا کوئی نہ بچتا۔ اگر فدیہ لینے کا حکم وحی الٰہی سے ہوتا تو اس پر عتاب فرمانے کی کوئی وجہ نہ تھی، لہٰذا ابتداً یہ آپ کا اجتہاد تھا۔(۳۵) پھر اس اجتہاد کی اصلاح وحی سے ہوئی لہٰذا یہ مطلق اجتہاد نہ رہا بلکہ وحی کا فیصلہ قرار پایا، احناف ایسے اجتہاد کو وحی باطن کا نام دیتے ہیں۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، عام اصحاب حدیث اور عام علمائے اصول کا مذہب یہ ہے کہ وحی کے بغیر آپ کو مطلقاً اجتہاد کا حکم تھا اور امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی منقول ہے۔(۳۶) تاہم یہ واقعہ صحابہؓ کی اجتہادی تربیت کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ آپ کا اجتہاد فرمانا دوسرے لفظوں میں منہاج نبوت کے مطابق اجتہاد کی تربیت دینا ہے، تا کہ آپ ﷺ کے بعد غیر منصوص مسائل کا شرعی حل تلاش کیا جا سکے۔

عہد نبویؐ میں صحابہؓ کا اجتہاد و استنباط:

عہد نبوی کے بہت سے واقعات صراحت کرتے ہیں کہ آپؐ کے زمانہ میں صحابہؓ اجتہاد و استنباط سے کام لیا کرتے

تھے۔اس ضمن میں مختلف آراء کا احاطہ کرتے ہوئے امام شوکانیؒ کی نظر میں صحیح نظریہ یہ ہے کہ ان صحابہؓ کے لیے جو آپؐ سے دور تھے اجتہاد کرنا جائز تھا۔(۳۷) آپ نے اپنی اس رائے کی تائید میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں۔مثلاً حضرت عمرو بن العاصؓ نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی، انہیں غسل کی حاجت تھی مگر سردی کے سبب غسل جنابت نہیں کیا بلکہ تیمم کیا اور دلیل یہ دی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔(۳۸) جب اس بات کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو ہوئی تو آپؐ نے ان کے اس اجتہاد کو درست قرار دیا۔حدیث کا متن یوں ہے:

"عن عمرو بن العاص قال احتلمت في ليلة باردة في غزوة ذات السلاسل فأشفقت إن اغتسلت أن أهلك فتيممت ثم صليت بأصحابي الصبح فذكروا ذلک للنبي –صلى الله عليه وسلم– فقال (يا عمرو صليت بأصحابک وأنت جنب) . فأخبرته بالذى منعني من الاغتسال وقلت إني سمعت الله يقول (ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما) فضحک رسول الله –صلى الله عليه وسلم– ولم يقل شيئا." (۳۹)

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: غزوہ ذات السلاسل کے موقع پر ایک سرد رات میں مجھے احتلام ہوا اگر میں غسل کرتا تو ہلاکت کا خطرہ تھا۔اس لیے تیمم کر کے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھا دی۔جب نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ عمرو! حالت جنابت ہی میں تم نے جماعت کروا دی۔میں نے صورت حال بیان کی کہ میں نے غسل کیوں نہیں کیا اور یہ آیت پڑھی "و لا تقتلوا انفسكم ان الله كان بكم رحيما"(۴۰) اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔یہ سن کر آپؐ مسکرانے لگے اور کچھ نہیں فرمایا۔

اسی طرح غزوۂ احزاب کے موقعہ پر ایک دفعہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: من كان يؤمن بالله و اليوم الآخر فلا يصلى العصر الا فى بنى قريظة. جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، آج عصر کی نماز بنی قریظہ میں ادا کرے۔راستے میں نماز عصر کا وقت ہو گیا، نماز کی ادائیگی کے بارے میں صحابہؓ کے دو گروہ ہو گئے۔بعض صحابہؓ نے راستہ ہی میں نماز ادا کر لی کیونکہ ان کے خیال میں آپؐ کا مقصد جلدی پہنچنا تھا، جبکہ بعض نے عصر کا وقت گزرنے کے بعد بنی قریظہ میں پہنچ کر نماز ادا کی۔پہلے فریق نے آپؐ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کا مفہوم سامنے رکھا جبکہ دوسرے فریق نے صرف الفاظ کا لحاظ کیا۔جب یہ مسئلہ بارگاہ نبوت میں عرض کیا گیا تو آپؐ نے فریقین کے اجتہاد کو برقرار رکھا اور کسی کی بھی سرزنش نہ فرمائی۔(۴۱)

ان واقعات سے عند الضرورۃ اجتہاد کے جائز ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور اس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ آنحضور ﷺ خود اپنی مجلس میں بعض خاص صحابہؓ کو اجتہاد کرنے کی نہ صرف ترغیب فرمایا کرتے بلکہ ان کی تربیت بھی فرماتے اور جن صحابہؓ میں اجتہاد کی اطمینان بخش صلاحیت کو موجود پاتے تو اس پر رضامندی کا اظہار فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد بھی بجا لاتے، اس ضمن میں چند روایات درج ذیل ہیں:

"عن عقبة بن عامر قال ثم جاء خصمان إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يختصمان فقال لى قم يا عقبة قض بينهما قلت يا رسول الله أنت أولى بذلك منى قال وإن كان أقض بينهما فإن أجتهدت فاصبت فلك عشرة أجور وإن أجتهدت فأخطأت فلك أجر واحد." (۴۲)

"عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے مجھے فرمایا اے عقبہ اٹھو اوران کے مابین فیصلہ کرو، میں نے عرض کی آپ ﷺ اس معاملہ میں مجھ سے بڑھ کر ہیں (آپ ﷺ میری نسبت فیصلہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: (اگر چہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو) پھر بھی تم ان کے مابین فیصلہ کرو، اگر تمہارا اجتہاد صحیح ہوا تو تمہیں دس گنا اجر ملے گا اور اگر درست نہ ہوا تو تمہیں (تمہارے اجتہاد پر) ایک اجر ملے گا۔"

اسی طرح کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے حضرت عمرو بن العاصؓ کے حق میں مروی ہے:

"عن عبد الله بن عمرو قال ثم جاء رجلان يختصمان إلى رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ لعمرو بن العاص أقض بينهما قال وأنت ها هنا يا رسول الله قال نعم قال على ما أقضى قال إن إجتهدت فاصبت لك عشرة أجور وإن اجتهدت فأخطأت فلك أجر واحد." (۴۳)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے متعلق یہ روایت اجتہاد کی نبوی تربیت کی بھرپور عکاسی کرتی ہے:

"ان النبى صلى الله عليه وسلم لما بعثه إلى اليمن قال أرأيت ان عرض لك قضاء كيف تقضى قال اقضى بكتاب الله قال فإن لم يكن في كتاب الله قال فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فإن لم يكن في سنة رسول الله قال اجتهد رأيي ولا آلو قال فضرب صدره ثم قال الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى رسول الله." (۴۴)

"جب نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجنے لگے تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا: تم کسی مقدمے کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ حضرت معاذؓ: میں کتاب اللہ کے بموجب فیصلہ کروں گا، آپؐ نے پوچھا: اگر قرآن کریم میں اس کا حل نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے؟ حضرت معاذؓ: رسول اللہ ﷺ کی سنت کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ آپؐ: اگر رسول اللہ کی سنت میں بھی نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے؟ حضرت معاذؓ: اپنی رائے کے مطابق اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک حضرت معاذؓ کے سینے پر مارا اور ارشاد فرمایا، اللہ تیرا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے نمائندے کو وہ توفیق بخشی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔"

ان احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آنحضور ﷺ خصوصیت کے ساتھ فقہی قابلیت رکھنے والے صحابہؓ کو اجتہاد کے اصول وقواعد سے باضابطہ آگاہ فرمایا کرتے تھے، جن کی روشنی میں وہ مسائل، معاملات اور مقدمات میں حکم الٰہی تک

پہنچنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔لہٰذا ہم بجاطور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اصولی منہج پر عمل پیرا ہونے کا آغاز رسالت مآب کا صحابہؓ کو اجتہاد یا استنباط کے طریقوں کی تربیّت کرنے سے ہوا۔

صحابہؓ کا منہج استنباط:

عہد نبوی میں صحابہؓ کو استنباط احکام کی عمومی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ صحابہؓ پیش آمدہ مسائل کا حل بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر پوچھ لیا کرتے تھے۔اگر کبھی استنباط احکام کی ضرورت پیش آجاتی تو بعد میں اس معاملہ کی آنحضورﷺ توثیق فرما دیتے تھے۔اس ضمن میں اگر صحابہؓ کے اجتہاد میں اختلاف واقع ہو جاتا تو آپؐ اس کے متعلق خود فیصلہ فرما دیتے جس میں بعض اوقات وسعت کے پیش نظر صحابہؓ کی اجتہادی آراء کو باقی رہنے دیا جاتا۔یہ پہلو فقہی اختلاف کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے، جس میں امت کے لیے شرعی امور میں وسعت کا پہلو پوشیدہ ہے۔

آنحضورﷺ کے بعد نزول وحی کا سلسلہ رک گیا، لیکن اجتہاد کی صلاحیت سے متصف، منہاج نبوت کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت موجود تھی، جنہوں نے پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن اور نبوی تشریحات یعنی حدیث وسنّت سے اخذ واستنباط کے ذریعے پیش کیا۔اس جماعت کے سرخیل صحابہؓ میں حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ شامل ہیں۔اس جماعت نے آپﷺ وصال کے بعد تقریباً پہلی صدی ہجری کے آخر تک کثرت کے ساتھ نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کیا اور یقیناً ''ان حضرات کے پیشِ نظر وہ اصول وقواعد ہوتے تھے جو انہوں نے قرآن کریم پر گہرے تدبر وتفکر اور رسول اللہﷺ کی عملی تشریح وتبیین کے عمیق مشاہدے اور نبوی تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں اخذ کیے تھے''۔(۴۵) امام الحرمین جوینیؒ فرماتے ہیں:

نحن نعلم قطعا أن الوقائع التي جرت فيها الفتاوى علماء الصحابة و اقضيتهم ، تزيد على المنصوصات زيادة لا يحصرها عد ، و لا يحويها حدّ فانهم كانوا قايسين في قريب من مائة سنة ، و الوقائع تترى ، و النفوس إلى البحث [طلعة]، و ما سكتوا عن واقعة صائرين إلى أنه لا نصّ فيها ، و الآيات و الأحكام نصا و ظاهرا ، بالاضافة إلى الأقضية و الفتاوى كغرفة من بحر لا ينزف . و على قطع نعلم انهم ما كانوا يحكمون بكل ما يعن لهم من غير ضبط و ربط ، وملاحظة قواعد متبعة عندهم ، و قد تواتر من شيمهم أنهم كانوا يطلبون حكم الواقعة من كتاب الله تعالى فإن لم يصادفوه ، فتشوا في سنن رسول الله ﷺ فإن لم يجدوها اشتوروا ، و راجعوا إلى الراى . ۴۶

یہ بات ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ صحابہ کرامؓ کے فتاوی اور فیصلے جن حوادث وواقعات میں صادر ہوئے وہ قرآن و حدیث کے منصوصات سے بہت زیادہ بلکہ بے حد و بے شمار ہیں۔تقریباً ایک صدی تک صحابہؓ ایسے معاملات میں قیاس کرتے رہے، آئے دن نئے واقعات پیش آتے اور یہ حضرات ان واقعات کے بارے میں احکام شرعیہ کی تحقیق کرتے آپ حضراتؓ کسی واقعہ پر حکم لگانے سے محض اس لیے خاموش نہیں رہے کہ اس سے متعلق نص وارد نہیں ہے۔صحابہؓ نے قضایا کا استنباط نصوص

ہی سے کیا لیکن قرآنی علوم کی انتہا نہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے سمندر سے چلو بھر پانی لینا جس سے سمندر کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔اسی طرح یہ بھی قطعی امر ہے کہ یہ حضرات متفقہ طور پر اصول وقواعد کے بغیر پیش آمدہ مسائل پر کوئی حکم جاری نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کی یہ عادت تواتر سے منقول ہے کہ جب انہیں کسی واقعہ میں حکم مطلوب ہوتا تو وہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے ،اگر اس میں حکم نہ ملتا تو سنّتِ رسولؐ میں تلاش کرتے ،اگر وہاں بھی نہ پاتے تو باہم مشورہ اوررائے سے فیصلہ کرتے۔

علامہ جوینیؒ نے صحابہؓ کے منہج استنباط احکام کی جو وضاحت فرمائی ہے اس کا اشارہ مذکورہ سابق حدیث معاذ بن جبلؓ میں ملتا ہے،اس کی تعیین میں علماءِ اصول کی تحقیقات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ڈاکٹر علی شامی نشار کے بقول''اصولی منہج کو وضع کرنے کی تاریخ امام شافعیؒ کے عصر سے بہت پرانی ہے، چنانچہ ہمیں یہ اصولی منہج نہ صرف ان علمائے احناف کے پاس ملتا ہے جن کا دور امام شافعیؒ سے چند سال پرانا ہے بلکہ خود عہد صحابہؓ میں بہت سارے فقہاء صحابہؓ کے ہاں ملتا ہے اور استنباط احکام کے قوانین کا ایک بڑا حصّہ صحابہ کرامؓ سے منقول ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے 'خاص' اور 'عام' کا نظریہ پیش کیا ،بعض دیگر صحابہؓ سے مفہوم کا نظریہ مذکور ہے۔''(۴۷)

حضرات صحابہ کرامؓ جب کسی حکم پر آگاہی حاصل کرنا چاہتے تو سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے۔ اگر کتاب اللہ میں انہیں یہ حکم نہ ملتا تو سنت رسول کی طرف رجوع فرماتے۔اگر وہاں بھی مطلوبہ مسئلے کا حل نہ ملتا تو اپنے قیاس اور اجتہاد کی مدد سے اس مسئلہ کے اشباہ ونظائر تلاش کرتے۔اگر انہیں اس مسئلہ کی کوئی نظیر مل جاتی تو اس کی علّت میں غور وفکر کرتے اور اگر یہی علّت زیر بحث مسئلہ میں بھی موجود ہوتی تو اس فرع پر بھی وہی حکم لگاتے تھے۔اسے علامہ ابن خلدونؒ نے المثیل بالمثیل یا شبیہ بالشبیہ کا نام دیا ہے۔پھر اگر اس مسئلہ کی کوئی نظیر بھی کتاب وسنّت میں نہ ملتی تو وہ ان مقاصد رفیعہ کو مدنظر رکھتے ہوئے فتویٰ دیتے جن کی رعایت کرتے ہوئے شرعی احکام کا نفاذ کیا گیا ہے۔

ان مراحل کے دوران اگر کسی حکم پر ان کی آراء متفق ہو جاتیں تو اس کی مخالف رائے کا شدت سے انکار کر دیتے۔لیکن جب تک مسئلہ زیر بحث ہوتا اور اتفاق رائے نہ ہوتا تو اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھتے۔اسی سے بعد میں ''اجماع'' کا اصول اخذ کیا گیا جسے اصول فقہ میں بنیادی درجہ حاصل ہے۔چونکہ تمام صحابہؓ مدینہ منورہ ہی میں تشریف فرما تھے اس لیے ان کی آراء کا متفق ہونا اور اس اتفاق سے آگاہی حاصل کرنا ممکن تھا۔حضرت عمرؓ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو شدید جنگی ضرورت کے سوا مدینہ منورہ سے ہجرت کی اجازت نہیں فرماتے تھے۔(۴۸) ڈاکٹر عبدالوہاب ابوسلیمان صحابہؓ کے منہج استنباط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فالمنهج عندهم يتلخص في البحث عن الحكم من كتاب اللّٰه ، فإن لم يكن فمن سنة رسول اللّٰه ﷺ فان لم يكن لجاوا الى الراى و المشورة ، و أن هذا المسلك الواضح في الاجتهاد أثبت منهم فهما كاملا لمدلولات الأوامر ، والنواهي ، والترجيح بين النصوص فاتفقت اجتهاداتهم حينا ، و اختلفت حينا آخر.'' (۴۹)

صحابہؓ کے منہج کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حکم کو کتاب اللہ سے تلاش کرتے اگر وہاں نہ ملتا تو رسول اللہ ﷺ کی سنت سے رجوع کرتے اگر وہاں بھی نہ ملتا تو پھر رائے اور مشورہ دیتے۔ اور اجتہاد میں ان کا یہ واضح مسلک اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ان کو امر اور نہی کے مدلولات اور نصوص میں ترجیح دینے کا کامل فہم حاصل تھا۔ لیکن اس کے باوجود ان کی اجتہادی آراء کبھی متفق ہوتی تھیں اور کبھی مختلف ہوتی تھیں۔

خلیفہ بابکر الحسن نے صحابہؓ کے اس منہج کی یوں وضاحت کی ہے:

ففي عصر الصحابة ومن خلال مناهجهم التي التزموها في الفتوى بالرجوع الى القرآن فالسنة فالاجماع فالرأي نلاحظ أثرا للقواعد الأصولية. وفي اجتهاداتهم بالرأي في المسائل غير المنصوص عليها بالرجوع الى القياس و تحكيم المصلحة و العمل على سدالذرائع، ما يدل ايضاً على أن اجتهاداتهم كانت تعتمد على أصول و ضوابط. وفي تفسيرهم للنصوص عن طريق تخصيص العام، أو صرف اللفظ عن حقيقة الى مجازه، أو عملهم بمفهوم الموافقة، أو المخالفة ما يدل على منزع أصولي مقدر عندهم. غير أن ذلك المنزع الأصولي في عامة أمره لم يكن ناتجا عندهم عن قصد و ترتيب، بقدر ما كان ناتجا عن الطبع والسليقة والمعرفة التامة باللغة وبدلالات ألفاظها، وادراك الدقيق والبعيد من اشاراتها ومراميها، هذا فضلا عن احاطتهم بأسرار التشريع و حكمه التي ركزتها في نفوسهم صحبتهم للرسول، ووقوفهم على أسباب نزول الآيات ومعرفتهم بمواطن ورود الأحاديث لهذا لم يحتاجوا في ذلك الزمن الى تدوين تلك القواعد الأصولية(۵۰)

عصر صحابہؓ میں فتوی کے لیے قرآن وسنت، اجماع اور رائے سے رجوع کے دوران جن مناہج کا صحابہؓ نے التزام فرمایا، ہم ان کا اثر اصولی قواعد پر دیکھ سکتے ہیں۔ غیر منصوص مسائل میں ان کے رائے سے اجتہادات میں قیاس کی طرف رجوع مصلحت کی بنا پر حکم اور سد الذرائع پر عمل دلالت کرتے ہیں کہ صحابہؓ کے اجتہادات اصول وضوابط کی بنیاد پر تھے۔ اور صحابہؓ کا تخصیص العام کے طریقہ پر نصوص کی تفسیر بیان کرنا یا لفظ کو حقیقی معنی سے مجازی کی طرف پھیر کر یا مفہوم موافق ومخالف کے طریقہ پر تفسیر کرنا ان کے مابین پوشیدہ اصولی نزاع پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اصولی نزاع ان کے نزدیک کسی قصد وترتیب کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ اس کے اسباب ان کی طبع، سلیقہ لغت اور الفاظ کے مدلولات پر ان کی مکمل واقفیت اور ان کے اشارات اور مقاصد کا گہرا اور صحیح ادراک اس پر مستزاد یہ کہ شریعت کے اسرار وحکم سے شناسائی جو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے انہیں حاصل ہوئی اور آیات کے اسباب نزول اور ورود احادیث کے مواطن کی معرفت تھے۔ لہذا صحابہؓ اس دور میں ان قواعد اصولیہ کی تدوین کے محتاج نہیں تھے۔

صحابہؓ کے استنباط احکام کی مثالیں:

صحابہ رضوان اللہ اجمعین کے استنباط احکام کی چند مثالیں درج ذیل ہیں، جن سے ان کے منہج استنباط کا بخوبی اندازہ

ہوتا ہے: حضورﷺ کے وصال مبارک کے بعد انکارِ زکوٰۃ کے فتنہ نے سر اٹھایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور فرمایا جو نماز اور زکوٰۃ کے مابین تفریق کرے گا میں اس سے جنگ کروں گا۔ آپ نے زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کیا کہ جس طرح نماز کا حکم قطعی اور لازمی ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی فرض ہے، جس طرح نماز کا انکار کفر ہے اسی طرح زکوٰۃ کا انکار بھی کفر ہے۔ (۵۱) حضرت عمر بن خطابؓ نے مصارف زکوٰۃ میں سے 'مؤلفۃ القلوب' کو ساقط فرما دیا اور ارشاد فرمایا: **إن الله اعز الاسلام و اغناه عنكم** (۵۲) (اللہ تعالیٰ نے اب اسلام کو عزت اور غلبہ عطا فرمایا ہے اور تمہیں اس سے مستغنی کر دیا ہے۔) آپؓ کو اس مصلحت کا علم تھا جس کی بنا پر یہ حکم نافذ کیا گیا تھا۔ لہذا آپ نے حکم کو مصلحت کے تابع کر دیا۔ یہ واقعہ اس اصولی قاعدہ کی طرف اشارہ کرتا ہے:

"**ان الحكم يبنى على المصلحة وجودا و عدما فإذا وجدت المصلحة و جدت الحكم وإذا انتفتؤ المصلحة انتفى الحكم.**" (۵۳)

''حکم باعتبار عدم و وجود مصلحت پر مبنی ہوتا ہے، جب مصلحت موجود ہو تو حکم پایا جائے گا اور جب مصلحت نہ پائی جائے تو حکم بھی ثابت نہیں ہوگا۔''

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے سامنے جب حاملہ عورت جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو کی عدت کا مسئلہ پیش ہوا تو آپؓ نے فرمایا کہ حاملہ عورت کا شوہر جب فوت ہو جائے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اس پر استدلال کے لیے آیت کریمہ: **وَأُولاتُ الأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** [۵۴] پیش کی اور فرمایا: **و من شاء باهلته إن آية النساء القصرى نزلت بعد آية عدة الوفاة.** [۵۵] (جو چاہے میں اس سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں کہ آیت نسا، عدت وفات والی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے۔) اس واقعہ میں اصول فقہ کے قاعدے (**المتأخر ينسخ المقدم أو يخصصه**) کی طرف اشارہ ہے کہ متاخر نص سابقہ نص کے حکم کو منسوخ کر دیتی ہے یا اس کی تخصیص کر دیتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شراب پینے کی حد کو حد قذف پر محمول کرتے ہوئے اسی (۸۰) کوڑے مقرر کیا اور اس پر اپنے قول سے یوں دلالت فرمائی: **أرى ان من شرب سكر و من سكر هذى و من هذى افترى، فأرى عليه حد القذف.** [۵۶] (میری رائے یہ ہے کہ جو شراب پیتا ہے نشے میں مبتلا ہوتا ہے، نشے میں مبتلا ہذیان بکتا ہے، ہذیان میں مبتلا تہمت بازی کرتا ہے، اس وجہ سے میری رائے میں اس پر حد قذف جاری ہونی چاہئے۔) یہ علّت میں مساوات کے وقت شبیہ کو شبیہ سے ملا دینا ہے۔ اس طرح حضرت علیؓ نے حکم بالمآل اور سدالذرائع کے اصولوں کو واضح کیا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا کہ یمن کے کچھ لوگوں نے مل کر ایک آدمی کو قتل کر ڈالا تھا۔ آپؓ ان سب کو قصاص میں قتل کرنے میں متأمل تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا آپ کا کیا خیال ہے، اگر یہ سب مل کر ایک اونٹ چوری کرتے تو کیا آپ ان سب کا ہاتھ کاٹتے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں کٹوا دیتا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اس قتل کا بھی یہی حکم ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان سب کو قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا اگر سارے اہل صنعاء بھی اس کے قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو تہہ تیغ کروا دیتا۔ اسی طرح سیدنا علیؓ نے عقد استصناع میں کاریگروں پر ضمانت لازم قرار دی تاکہ لوگوں کے اموال جو ان کے پاس بطور امانت ہیں ان کی حفاظت میں کوتاہی نہ کریں۔ اور فرمایا: **لا يصلح الناس الا**

ذاک یعنی لوگوں کے لیے اسی میں مصلحت ہے۔ یہ روایت اس اصولی قاعدہ کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ''مصلحت کا ادلّہ شرعیہ میں اعتبار کیا جائے گا'' احناف نے اسے نظریۂ استحسان کا نام دیا ہے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کا وہ خط جو انہوں نے بصرہ کے قاضی سیدنا ابو موسیٰ الأ شعریؓ کی طرف لکھا تھا۔ وہ صحابہؓ کے منہج استنباط کو بخوبی واضح کرتا ہے۔ یہ خط اصول فقہ پر لکھی جانے والی ابتدائی تحریر کہی جا سکتی ہے:

''قال ثم کتب عمر بن الخطاب إلی إبی موسی الأشعری أما بعد فإن القضاء فریضة محکمة وسنة متبعة (فعلیک بالعقل والفهم وکثرة الذکر) فافهم إذا أدلی إلیک بحجة وأنفذ الحق إذا وضح فإنه لا ینفع تکلم بحق لا نفاذ له... الفهم الفهم فیما یختلج في صدرک مما لم یبلغک في الکتاب أو السنة اعرف الأمثال والأشباه ثم قس الأمور ثم ذلک فاعمد إلی أحبها ثم الله وأشبهها بالحق فیما تری...''(۵۷)

...اما بعد قضا ایک محکم فرض اور قابل اتباع سنت ہے۔ عقل وفہم اور ذکر الٰہی کی کثرت کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ جب کوئی شخص تمہارے سامنے دلیل اور حجت پیش کرے تو اسے اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرو۔ اور جب سمجھ چکو تو معاملے کا فیصلہ کردو اور جب فیصلہ سنا دو تو اس کا نفاذ بھی کرو، کیونکہ نفاذ کے بغیر حق گوئی کا کوئی فائدہ نہیں... جو احکامات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں نہیں ہیں اور ان کے بارے میں تمہیں خلجان پیدا ہو جائے تو پھر فہم وفراست اور خوب سمجھداری سے کام لو۔ اشباہ وامثال کی معرفت حاصل کرو اور نئے معاملات کا ان پر قیاس کرو اور ان میں سے جو صورتیں اقرب الی اللہ اور حق سے زیادہ مشابہ ہوں انہیں اختیار کرلو...(۵۸)

ان مثالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہؓ اپنے اجتہادات میں اصولی مناہج کی پابندی کرتے تھے، اگرچہ ان حضرات نے تمام مسائل میں مناہج استنباط کی صراحت نہیں کی ہے۔ پھر جہاں ان مثالوں سے صحابہؓ کے منہج استنباط کی وضاحت ہوتی ہے، وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ استنباط احکام کے طرق یا اصول وقواعد ان کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں تھے۔ جنہیں مدوّن کرنے کی انہیں قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ اس دور میں شریعت کے متفق علیہ مصادر قرآن وسنت اجماع اور قیاس تھے جبکہ رائے کے تحت مصالح مرسلہ یا استحسان اور سد ذرائع وغیرہ مختلف فیہ اصول ثانوی ماخذ تھے۔ دور تدوین میں علمائے اصول نے صحابہؓ کی اسی منہج سے راہنمائی لیتے ہوئے باقاعدہ استنباط کے قواعد وضوابط مدوّن فرمائے۔

تابعینؒ کے دور میں مناہجِ استنباطِ احکام:

صغار صحابہؓ اور تابعین کے عہد میں منہج استنباط سابقہ دور سے مختلف نہیں تھا۔ ماخذ شریعت بدستور کتاب وسنت، اجماع، قیاس، مصالح مرسلہ یا استحسان اور سد ذرائع وغیرہ ہی تھے۔ تابعین اسرار شریعت سے بھی مکمل طور پر آگاہ تھے اور ساتھ ہی عربی لغت کا بھی قدرتی ملکہ انہیں حاصل تھا۔ لہٰذا احکام شریعت کو ان کے اصلی مصادر سے مستنبط کرنے کے لیے انہیں کسی قسم کے قواعد کی تدوین کی بالعموم ضرورت نہیں تھی۔ وہ کبار صحابہؓ کے وضع کردہ اسالیب ہی پر عمل پیرا تھے۔ البتہ اس دور میں اجماع کا

انعقاد دشوار ہو گیا، کیونکہ مجتہدین مختلف شہروں اور ممالک میں پھیل گئے تھے اور ان سب کی آراء سے آگاہ ہونا محال تھا۔ لہٰذا مختلف آراء کی بنیاد پر مستقل مکاتب فکر کا واضح و منقح ہو جانا ناگزیر تھا۔ تاہم اس عہد میں منہج استنباط کے حوالہ سے جو اضافہ ہوا وہ صحابہؓ کے فتاوی کو بطور ماخذ تسلیم کرنے کا تھا۔(۵۹) ڈاکٹر حسین حامد حسان نے صحابہؓ اور تابعینؒ کے منہجِ استنباط کا تذکرہ درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

رأينا ان اصول الفقه يشمل قوانين الإجتهاد و قواعد الإستنباط التي يتقيد بها الفقيه في اجتهاده ، و يسير على هديها في استنباط الأحكام و لقد كان المجتهدون من الصحابة و التابعين يقومون بإستنباط أحكام ما يجد من النوازل التي ليس فيها نص حكم شرعي . و لم يكن هذا الإستنباط متيسر الهم إلا إذا كانوا على علم تام بقواعده و مناهجه ، لأنه لا اجتهاد بغير منهج ، ولا إستنباط من غير قاعدة . و على ذلک فإنه يمكن القول بأن قواعد علم الأصول قد وجدت مع الفقه نفسه ، و إن دونت بعده . ولم يكن المجتهدون من الصحابة و التابعين بحاجة إلى تدوين القواعد التي يرجعون اليها ، لأن هذه القواعد كانت مركوزة في نفوسهم فهم أعلم الناس بلغة القرآن التي تستمد منها كثير من قواعد الاستنباط ، كما أن صحبتهم لرسول الله ﷺ عرفتهم بأسباب نزول القرآن و مناسبات ورود السنة. و هذه المعرفة لازمة للوقوف على مقاصد الشريعة العامة و مصالحها الكلية ، و عللها و حكمها و غاياتها و مراميها و غالب قوانين الاستنباط ترجع إلى العلم نهذه المقاصد و المصالح و العلل و الغايات. (٦٠)

ہماری رائے میں اصول فقہ اجتہاد کے قوانین اور استنباط کے قواعد پر مشتمل ہے کہ جن کا فقیہ اپنے اجتہاد میں محتاج ہوتا ہے اور احکام کے استنباط میں جن کو اختیار کرتا ہے۔ مجتہد صحابہؓ اور تابعینؒ ان پیش آمدہ مسائل جن میں شرعی نص نہ ہو حکم کی تلاش کے لئے استنباط کرتے تھے اور وہ یہ استنباط اس وقت تک نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ ان کو مناہج استنباط کا مکمل علم نہ ہوتا کیونکہ منہج کے بغیر اجتہاد نہیں اور قاعدے کے بغیر استنباط نہیں علاوہ ازیں یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ علم اصول فقہ کے قواعد فقہ کے ساتھ ہی موجود تھے اگرچہ مدوّن بعد میں ہوئے۔ مجتہد صحابہؓ و تابعینؒ ان قواعد کی تدوین کے محتاج نہیں تھے جن کی طرف وہ رجوع کرتے تھے کیونکہ یہ قواعد ان کے نفوس میں راسخ تھے اور وہ قرآن کی زبان کو لوگوں میں سب سے زیادہ جانتے تھے جس زبان سے استنباط کے بہت سارے قواعد حاصل یا اخذ کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے بھی صحابہؓ کو نزول قرآن کے اسباب اور سنّت کے ورود کے مواقع کی معرفت کروادی تھی۔ یہ معرفت شریعت کے عام مقاصد اور کلی مصالح، علتوں، حکمتوں، غایتوں اور مقاصد کو جاننے کے لیے ضروری ہے۔ استنباط کے اکثر قوانین ان مقاصد و مصالح علل اور غایات کے علم کے محتاج ہیں۔

استاذ محمد ابو زہرہ نے تابعین کے منہج استنباط کی درج ذیل الفاظ میں وضاحت کی ہے:

”حتى إذا انتقلنا إلى عصر التابعين وجدنا الاستنباط يتسع لكثرة الحوادث و لعكوف طائفة من التابعين على الفتوى كسعيد بن المسيب وغيرة بالمدينة ، و كعلقمة و ابراهيم النخعي بالعراق ،

فإن هؤلاء كان بين ايديهم كتاب الله و سنّة رسولهﷺ و فتاوى الصحابة ، و كان منهم من ينهج منهاج المصلحة إن لم يكن نص ، و منهم من ينهج منهاج القياس ، فالتفريعات التى كان يفرعها ابراهيم النخعى وغيره من فقهاء العراق كانت تتجه نحو استخراج العلل الاقيسة وضبطها و التفريع عليها ، بتطبيق تلك العلل على الفروع المختلفة. و هنا نجد المناهج تتضح اكثر من ذى قبل ، وكلما اختلفت المدارس الفقهية كان الاختلاف سببا فى أن تتميز مناهج الاستنباط فى كل مدرسة." (٦١)

یہاں تک کہ تابعین کے دور میں ہم استنباط میں وسعت پاتے ہیں، اس کا سبب کثرت حوادث اور تابعین میں سے ایک گروہ کا اپنے آپ کو افتاء کے ساتھ خاص کر لینا تھا، جیسا کہ سعید بن مسیبؒ وغیرہ مدینہ منورہ میں علقمہؒ اور ابراہیم نخعیؒ عراق میں، بے شک کتاب اللہ، سنّت رسول اللہﷺ کے ساتھ صحابہؓ کے فتاویٰ ان کے پاس موجود تھے، ان میں سے بعض نص کی عدم موجودگی میں مصلحت کا منہج اور بعض قیاس کا منہج اختیار کرتے تھے۔ پس وہ تفریعات جو فقہائے عراق میں ابراہیم نخعی وغیرہ کرتے تھے، وہ مقیس علیہ میں موجود علل کے استخراج وضبط اور مختلف فروعات پر انہیں منطبق کرنے کا نتیجہ تھیں۔ اس دور میں ہم مناہج (استنباط کے اصول وقواعد) کو پہلے سے زیادہ واضح اور منقح پاتے ہیں، فقہی مکاتب فکر میں جس قدر اختلاف ہوتا تو ہر مکتب فکر کے مناہج استنباط اسی قدر الگ الگ نکھر کر سامنے آتے۔

فقہی مکاتبِ فکر:

مکاتبِ فکر یا مدارس فقہیہ کی تعریف کرتے ہوئے استاد صابر نصر مصطفیٰ لکھتے ہیں:

"المدارس الفقهية : هى الطرق و الاتجاهات التى سلكها الفقهاء فى استنباط الاحكام من الاعتماد على السنة أو الرأى قلة و كثرة." (٦٢)

مدارس فقہیہ سے مراد وہ طریقے اور رجحانات ہیں جنہیں فقہاء نے استنباط احکام کے لیے سنّت یا رائے پر اعتماد کرتے ہوئے کم وبیش اختیار کیا۔

تابعین کے دور میں اختلافِ دیار و امصار اور مختلف منہج اختیار کرنے کی بنا پر درج ذیل دو بڑے فقہی مکاتب فکر سامنے آئے: ا۔ دبستان حجاز ب۔ دبستان عراق

دبستان حجاز (اہل الحدیث) کا منہج استنباط:

دبستانِ حجاز کے بانی فقہاء صرف ظاہری نصوص پر عمل پیرا تھے اور ان میں تأویل کے قائل نہیں تھے۔ وہ آثار و مرویات صحابہؓ پر سختی کے ساتھ عمل پیرا تھے اور قیاس یا رائے پر صرف شدید ضرورت کے وقت ہی عمل کرتے، ان کا مرکز حجاز تھا۔ منہج استنباط کے حوالے سے ان فقہاء نے ظاہر نصوص سے تمسک کا راستہ اختیار کیا اور قیاس سے شاذ و نادر ہی اخذ و استنباط کیا کرتے

تھے،اس لیے''اہل الحدیث'' کے نام سے معروف ہوئے۔اس مکتب فکر کے روح رواں صحابہؓ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور تابعین میں حضرت سعید بن میسبؒ تھے۔اہل حدیث (محدثین) حضرات قرآن وسنّت کے علاوہ پہلے تین خلفاء کے فتاوی پر جمع ہو گئے۔۶۳ علماء ظاہر نصوص سے تمسک کے درج ذیل اسباب بیان کرتے ہیں:

أ۔ اپنے شیخ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے متاثر ہونا۔

ب۔ اہل حجاز کو احادیث رسول اللہ ﷺ اور آثار صحابہؓ کا کثرت کے ساتھ علم تھا،اس لیے انہیں قیاس کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ حجاز (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) کو مہبطِ وحی ہونے کا شرف حاصل تھا۔

ج۔ وادیٔ حجاز کے لوگ انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ان کے سامنے ایسے نئے نئے واقعات ومسائل کی کثرت نہ تھی جن کا سامنا اہل عراق کو تھا۔۶۴

دبستان عراق (اہل الرائے) کا منہج استنباط:

منہج استنباط میں اہل حجاز کے بالمقابل فقہاء عراق تھے، جو''مصلحت'' کو بھی مدنظر رکھتے تھے اور نص کے نہ ملنے پر قیاس بھی کرتے تھے۔ان کی رائے میں تمام شرعی احکام کی عقلی توجیہ ممکن ہے،جن کا نفاذ بنی نوع انسانی کی مصلحت کی خاطر کیا گیا ہے۔چنانچہ یہ حضرات احکام کے اندر پائی جانے والی علتوں کو تلاش کرتے ،ان علتوں کی بنیاد پر مختلف احکام کے درمیان تمیز کرتے اور نئے پیش آمدہ مسائل پر انہیں منطبق کرتے اور اگر خبر واحد،مصالح عامہ سے متعارض ہوتی تو اسے قبول نہیں کرتے تھے۔کیونکہ مرکز رسالت سے دوری کے سبب یہ حضرات روایات کو بلاحیل وحجت تسلیم نہیں کرتے تھے۔صحابہؓ میں اس مکتب فکر کے امیر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے جو کہ حضرت سیدنا عمر بن خطابؓ کے شاگرد اور انہی کے طریقہ کے علمبردار تھے۔جبکہ تابعین میں حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد علقمہ النخعیؒ اور ابراہیم النخعیؒ تھے اور پھر انہی کے سامنے علماء عراق نے زانوئے تلمذ طے کیا۔یہ حضرات بکثرت قیاس اور رائے کا استعمال کرنے کی وجہ سے''اہل الرائے'' کے نام سے پہچانے گئے۔رائے پر عمل کرنے کے درج ذیل اسباب تھے۔

أ۔ اہل عراق پر ان کے مذکورہ بالا شیوخ کے طریقۂ استنباط اور اسلوب کا گہرا اثر تھا۔

ب۔ عراق ان خوش قسمت شہروں میں سے تھا جہاں ایسے جلیل القدر صحابہؓ کی کثیر تعداد تھی جو فقہ وفتوی میں رسوخ کی وجہ سے معروف تھے۔جیسے حضرات ابن مسعود، سعد بن ابی وقاص، ابو موسیٰ اشعری اور انس بن مالک رضی اللہ عنھم۔فقہاء عراق نے صرف انہی کی روایات پر اکتفا کیا اور ان کے علاوہ سے احادیث کو لینے میں غایت درجہ احتیاط کو ملحوظ رکھتے تھے۔

ج۔ عراق میں شیعہ اور خوارج کافی جمع تھے۔اس کے علاوہ یہاں اور بہت سی قوموں اور نسلوں کے لوگ موجود تھے۔یہ سب اپنی اپنی آراء اور مختلف حیلوں سے کام لیتے اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے مذموم مقاصد کے لیے جھوٹی

احادیث بیان کرتے اور اسی طرح آثار صحابہؓ میں بھی غلط بیانی کرتے۔اس وجہ سے فقہاء قبول حدیث کے حوالہ سے بڑے محتاط ہوئے اور قبول حدیث کے لیے سخت معیار قائم کیا، تاکہ وضع حدیث کا دروازہ بند کیا جا سکے۔

د۔ عرب صحرائی زندگی کے عادی تھے جبکہ عراق میں شہری تمدن کے لاتعداد مسائل درپیش تھے۔جن کے احکامات سے واقف ہونا از حد ضروری تھا۔انہی ضرورتوں کو دیکھ کر فقہاء عراق نے فقہ کی تدوین شروع کی۔ان میں ایسے حوادث اور معاملات کے متعلق احکامات بھی شامل تھے جو کہ متوقع طور پر مستقبل میں پیش آسکتے تھے۔یہ فرضی فقہ تھی یعنی مفروضہ قائم کر کے اس کا حل نکالنا، فقہاء عراق میں اس کا کثرت سے استعمال ہوا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فقہ میں بعض ایسی صورتیں بھی آ گئیں جن کا بادی النظر میں وقوع پذیر ہونا محال نظر آتا ہے۔(۶۵)

رائے کی شرعی حیثیت:

خلیفہ بابکر الحسن نے مکاتب فکر کے اصولی منہج کو مختصراً ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"ولا شک أن الاعتماد علی الحدیث منهج أصولی، کما أن الاعتماد علی الرأی منهج أصولی.(٦٦)

"بے شک حدیث پر اعتماد کرنا اصولی منہج ہے، اسی طرح رائے پر اعتماد بھی اصولی منہج ہے۔"

یقیناً حدیث کے شرعی دلیل اور حجت ہونے میں کوئی کلام نہیں اور حدیث کی صحت جاننے کے لیے صحابہؓ یا تابعینؒ کے دور میں اصولِ حدیث کے تفصیلی قواعد کی اتنی زیادہ حاجت بھی نہیں تھی۔لیکن مذکورہ بالا عوامل کے سبب فقہائے حجاز کی بہ نسبت اہل عراق کا سرمایۂ حدیث بہت کم تھا، اس لیے انہیں رائے کے شرعی طریقہ پر عمل کرنا پڑا۔اہل حجاز بھی رائے پر عمل کرتے تھے مگر اہل عراق کی نسبت بہت کم۔رائے پر بحیثیت شرعی اصول عمل کرنے کی ابتدا عہد رسالت میں ہو چکی تھی۔اس کے جواز میں مندرجہ ذیل دلائل سے استشہاد کیا جاتا ہے:

أ۔ آیت قرآنیہ: "**وامرهم شوری بینهم**"(۶۷) میں باہمی مشورہ کا حکم دیا گیا ہے، اور مشورہ کی بنیاد رائے پر ہوتی ہے۔

ب۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کا واقعہ (جسے ماقبل عنوان "عہد نبوی میں صحابہؓ کے اجتہاد" کے تحت بیان کیا جا چکا ہے) میں حضرت معاذؓ نے فرمایا: **اجتهد رائی و لو آلو**۔اپنی رائے کے مطابق اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہیں کروں گا۔

ج۔ حضرت مالک بن انسؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے: کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر ہمیں ایسا معاملہ درپیش ہو جس کی طرف نہ تو قرآن نے کوئی اشارہ کیا ہو اور نہ ہی اس کے بارے میں آپ کا کوئی فرمان ہو تو ہم کیا کریں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: **اجمعوا له العالمین أو قال العابدین من المؤمنین فاجعلوه شوری بینکم و لا تقضوا فیه برای واحد .**(٦٨) یعنی مؤمنین میں سے علماء کو جمع کروان سے مشورہ لو اور فرد واحد کی رائے پر عمل نہ کرو۔

د۔ صحابہؓ کا منہج استنباط اس پر دلالت کرتا ہے کہ رائے اصول تشریع میں سے ایک اصل ہے۔جیسا کہ استفتاء کے لیے وہ قرآن وسنّت میں حل تلاش کرتے،اگر وہاں جواب نہ پاتے تو فرماتے: **اقول فیها برائی فان یکون صوابا فمن اللّٰه و ان یکن خطاء فمنی و من الشیطٰن و اللّٰه و رسوله منه برئیان.** (٦٩)

ان دلائل کی روشنی میں رائے کے شرعی جواز کی درج ذیل دوصورتیں ہوئیں:

اَ۔ فرد واحد کی رائے ، جسے حدیث معاذؓ میں جائز قرار دیا گیا۔اسی سے بعد میں اصولیین نے قیاس، استحسان اور استصلاح وغیرہ کے قوانین وضع کیے۔

ب۔ اجتماعی رائے ،جس کی طرف حدیث علیؓ میں اشارہ کیا گیا ہے۔اسی سے بعد میں اُجماع کا اصول مستنبط ہوا۔

یہ تھے وہ اسباب و دلائل جن کی بنیاد پر فقہائے عراق نے اہل حدیث (محدثین) کے برخلاف حدیث کو کم استعمال کیا۔اسی طرح اہل حجاز حضرات فقہاء عراق کی نسبت رائے سے اخذ واستنباط کی طرف بہت کم مائل تھے۔مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہل عراق حدیث کی جانب سے بالکل غافل تھے یا محدثین رائے سے اخذ واستنباط بالکل نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ مذکورہ بحث کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دونوں مکاتب فکر تقویٰ واخلاص کی بدولت انتہائی محتاط تھے کہ شریعت کا حکم کسی ایسی بنیاد پر نہ کر بیٹھیں کہ جس کا ذریعہ غیر معتبر ہو۔

(جاری ہے)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ زیدان ، عبد الکریم ، الوجیز فی اصول الفقه : ۱۲ ، الطبعة الخامسة مطبعة سلمان الأعظمی ، بغداد ۱۳۹۳ھ.

۲۔ الزمخشری ، جارالله ، محمود بن عمر ، أساس البلاغة ؛ القاموس المحیط ؛ لسان العرب ؛ مصباح اللغات (مادة) : نهج ، دار المعرفة بیروت ۱۳۹۹ھ.

۳۔ الفیروزآبادی ، محمد بن یعقوب ، القاموس المحیط (مادة): نهج ، المطبعة الحسینیة ۱۳۴۴ھ.

۴۔ سورة المائده (الآیة) : ۴۸.

۵۔ الأخفش ، ابو الحسین سعید بن مسعدة ، معانی القرآن ،۲/ ۴۷۱ (المکتبة الشاملة).

۶۔ الطبرسی ، أبو علی الفضل بن الحسن ، مجمع البیان فی تفسیر القرآن : ۳/۲۵۴ ، حققه هاشم الرسولی ، دار احیاء التراث العربی ۱۴۰۶ھ.

۷۔ رینیه دیکارت ، مقالة الطریقة لحسن قیادة العقل : ۱۱۰ ، ترجمه جمیل صلیباء ، اللجنة اللبنانیة لترجمة الروائع بیروت ۱۸۷۰م.

۸۔ جبور عبد النور د. ، المعجم الأدبی ، ۱/۲۶۸ ، دار العلم للملایین ۱۹۸۴م.

۹۔ بدوی ، عبد الرحمٰن ، مناهج البحث العلمی ، ۸ ، وکال المطبوعات الکویت ۱۹۸۸م.

۱۰۔ ایضا:۴۔

۱۱۔ الطاهر ، علی جواد ، منهج البحث الأدبی ، ۱۷ ، مؤسسه العربیة للدراسات و النشر بیروت.

۱۲۔ النشار ، علی سامی ، نشاة الفکر الفلسفی فی الاسلام، ۱/۲ ، دار المعارف مصر ۱۹۷۷م.

۱۳۔ یاسین خلیل ، منطق البحث العلمی ، بیروت ۱۸۷۰م، ۱۲

۱۴۔ مراد وهبة ، المعجم الفلسفی ، دار قباء الحدیثة القاهرة ۲۰۰۷م، ۲۳۱

۱۵۔ بدوی ، مناهج البحث العلمی ، ۱۳

۱۶۔ محمد جواد مغنیة ، معالم الفلسفة الاسلامیة فی التصوف و الکرامات : ۱۸ ، دار و مکتبة الهلال ، بیروت ۱۹۸۲م.

۱۷۔ اردولغت تاریخ کے اصول پر، ۱/۱۹۔

۱۸۔ أساس البلاغة ؛ القاموس المحیط ؛ لسان العرب ؛ مصباح اللغات ؛ المعجم الوسیط(مادة) : نبط.

۱۹۔ معجم غریب الفقه و الأصول ، ۵۲.

۲۰۔ الجرجانی ، امام أبی الحسن ، التعریفات ، مکتبه رحمانیه لاهور،۱۴

۲۱۔ معجم مصطلحات اصول فقه ، ۲۱

۲۲۔ ابن الهمام ، علامه کمال الدین ، تیسیر التحریر ، ۱/۱۴ ، مطبعة محمد علی صبیح ۱۹۳۳م ؛ الشوکانی ، العلامة محمد بن علی، ارشاد الفحول ، مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۹۳۵م، ۳

۲۳۔ عبد الرؤوف مفضی خرابشه ، مناهج البحث عند علماء اصول الفقه : ۷ ، دار ابن حزم بیروت ۱۴۲۶ھ؛ ساجد الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر، اسلامی فقہ کے اصول ومبادی، دار التذکیر لاہور ۲۰۰۸ء، ۵۴

۲۴۔ خلیفة بابکر الحسن ، مناهج الأصولیین فی طرق دلالات الألفاظ علی الأحکام ، مکتبة وهبة قاهرة ۱۴۰۹ھ، ۷

۲۵۔ عبداللہ، حافظ، ڈاکٹر، اصول تفسیر اور فقہائے اصولیین کی خدمات، مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی (علوم اسلامیہ)، ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب

لاہور۲۰۰۱ء،۶۲

۲۶۔ القرافی ، أبو العباس أحمد بن إدریس ، الفروق ، دار المعرفة بیروت، ۱/۲۰۵-۲۰۶

۲۷۔ سورۃ الاحزاب : ۲۱.

۲۸۔ سورۃ النجم : ۳، ۴.

۲۹۔ مصطفیٰ سعید الخن، قواعد اصولیہ میں فقہاء کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر، مترجم حافظ حبیب الرحمٰن، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد ۲۰۰۲ء، ۲۶

۳۰۔ محمد مظہر بقا، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ: ۴۶۰-۴۶۲ ، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۱۹۷۲ء ؛ زیدان، عبدالکریم، جامع الاصول ترجمہ الوجیز فی اصول الفقہ، مترجم ڈاکٹر احمد حسن، مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور ۱۳۸۹ء، ۶۵۵-۶۵۷

۳۱۔ مباحث فی اصول الفقه ، ۱/۶۴ ؛ تاریخ اصول فقہ، ۲۴۔

۳۲۔ صحیح مسلم ، کتاب الجهاد والسیر ؛ القرطبی ، الجامع لأحکام القرآن ، ۸/۴۵ .

۳۳۔ سورۃ الانفال : ۶۷، ۶۸.

۳۴۔ القرطبی ، امام محمد بن عبداللّٰہ ، الجامع لأحکام القرآن ، مطبعة دار الکتب المصریة ۱۳۸۷ھ، ۸/۴۷

۳۵۔ قواعد اصولیہ میں فقہاء کا اختلاف، ۲۸ ؛ بحوث فی اصول الفقہ، ۱۳۔

۳۶۔ جامع الاصول، ترجمہ الوجیز فی اصول الفقہ از عبدالکریم زیدان، مترجم ڈاکٹر احمد حسن، ۶۵۷۔

۳۷۔ بحوالہ جامع الاصول ترجمہ الوجیز فی اصول الفقہ، ۶۵۹۔

۳۸۔ سورۃ البقرۃ : ۱۹۸.

۳۹۔ سنن ابی داؤد ، کتاب الطهارة ، باب اذا خاف الجنب البرد أیتیمم ، حدیث ۳۳۴.

۴۰۔ النساء : ۲۹.

۴۱۔ الجامع الصحیح للبخاری، ۲/۱۹۳ ؛ العسقلانی ، ابن حجر أحمد بن علی ، تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری ، ۲/۳۷۳؛ ابن کثیر ، أبی الفداء اسماعیل ، السیره النبویه ، ۳/۲۲۴ ، دار المعرفة للطباعة و النشر بیروت ۱۳۹۶ھ۔

۴۲۔ سنن الدار قطنی ، کتاب فی الأقضیة و الأحکام و غیر ذلک ، ۴/۲۰۳ ؛ احکام القرآن للجصاص، ۲/۲۶۷.

۴۳۔ سنن الدار قطنی ، کتاب فی الاقضیة ، حدیث نمبر ۴۲۱۰ ، ۱۰/۲۶۲.

۴۴۔ سنن ابی داؤد ، باب اجتهاد الرأی فی القضاء ، حدیث ۳۵۹۴ ؛ سنن الکبری ، باب ما یقضی به القاضی و یفتی به المفتی ، حدیث ۲۰۱۲۶ ؛ مسند احمد بن حنبل ، حدیث ۲۲۱۱۴ : ۵/۲۳۶ ؛ الترمذی ، ابواب الاحکام ، باب ما جاء فی القاضی یقضی.

۴۵۔ اصول تفسیر اور فقہائے اصولیین کی خدمات، ۶۲۔

۴۶۔ الجوینی ، امام الحرمین عبد الملک بن عبدالله ، البرهان فی اصول الفقه ، ۲/۴۹۹ ، دار الوفا قطر ۱۴۱۴ھ.

۴۷۔ مناهج البحث عند مفکر الاسلام، ۶۲ ؛ جمال الدین عطیه ، النظریة فی الفقه الاسلامی ، ترجمہ: فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، مترجم مولانا عتیق احمد قاسمی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ۱۵

۴۸۔ ابن خلدون، امام عبدالرحمٰن، مقدمہ، ۴۵۳، ترجمہ مولانا عبدالرحمٰن دہلوی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور ۱۹۹۳ء ؛ فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، ۱۵؛ اصول الفقه الاسلامی لبدران، ۱۰ ؛ علم اصول فقه لخلّاف ، ۱۳ ؛ اصول الفقه لحضری ، ۴ ؛ اصول الفقه لمحمد زکریا البردیسی ۳ ؛ الفکر الاصولی ، ۲۹ ؛ تاریخ التشریح الاسلامی، ۶۷، ۶۸ ؛ تاریخ اصول فقہ، ۲۸-۲۹

۴۹۔ عبد الوهاب ابرهيم ، الفكر الاصولى ، دار الشروق جده ۱۹۸۴ء ، ۲۹

۵۰۔ مناهج الأصوليين فى طرق دلالات الألفاظ على الأحكام ، ۷،۸.

۵۱۔ سنن ابى داؤد ، كتاب الزكوة ، باب وجوبها ،۱۵۵۶ ، ۲/۹۳.

۵۲۔ طبقات ابن سعد ، ج ۲ قسم : ۱/۲۰۴.

۵۳۔ بحوث فى اصول الفقه ، ۲۳.

۵۴۔ سورة الطلاق : ۴.

۵۵۔ الجامع الاحكام القرآن للقرطبى ، ۳/۱۷۵.

۵۶۔ مسند الشافعى، ۱/۲۸۶ ؛ مؤطا امام مالک ، ۲۴۷ ؛ نيل الاوطار ، ۹/۹.

۵۷۔ سنن الدارقطني : ۴/۲۰۶.۲۰۷ ؛ سنن البيهقى الكبرى، ۱۰/۱۵۰،۱۱۵ ؛ بدائع الصنائع للكاسانى : ۷/۹ ؛ سنن الدارمى : ۴/۲۰۶ ؛ سبل السلام : ۴/۱۱۹ ؛ الحجة للشيبانى : ۲/۵۷۰؛ قواطع الأدله فى الاصول للسمعانى : ۲/۸۸ ؛ الإحكام لابن حزم : ۷/۴۴۲ ؛ تفسير القرطبى ، ۷/۱۷۲.

۵۸۔ الصنعانی، محمد بن اسماعیل الامیر، سبل السلام (اردو ترجمہ)، ۴/۳۱۰۔۳۱۱۔

۵۹۔ اصول الفقه نشاته و تطوره والحاجة اليه : ۲۶ ؛ اصول الفقه لابو زهره : ۹ ؛ مباحث فى اصول الفقه : ۱/۱۷ ؛ النظرية فى الفقه الإسلامى ، ترجمہ: فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، ۱۶ ،۱۷ ؛ اصول الفقه الاسلامى لبدران، ۹.

۶۰۔ اصول الفقه، ۱۸.

۶۱۔ اصول فقه ، ۱۱،۱۲.

۶۲۔ مباحث فى اصول الفقه ، ۱/۱۷.

۶۳۔ ایضاً؛ تاریخ اصول فقہ، ۳۶۔

۶۴۔ اصول الفقه نشأته و تطوره و الحاجة اليه، ۲۷.

۶۵۔ تاريخ التشريع الاسلامى : ۲۱۷ ؛ مباحث فى اصول الفقه : ۲۷ ؛ المذاهب الاسلاميه : ۲/۱۷ ؛ اصول الفقه نشاته و تطوره و الحاجة اليه ، ۲۷.

۶۶۔ مناهج الأصوليين فى طرق دلالات الالفاظ على الاحكام ، ۸.

۶۷۔ سورة الشورىٰ : ۳۸.

۶۸۔ القرطبى ، يوسف بن عبد الله ، جامع بيان العلم و فضله : ۲/۵۹، مؤسسه الريان ، دار ابن حزم ۲۰۰۳م ؛ الاحكام لابن حزم ، ۶/۲۰۱.

۶۹۔ شلبى ، محمد مصطفىٰ ، اصول الفقه الاسلامى ، دار النهضة العربية ، بيروت، ۱۲